© rasailojaraid.com

مترجم: پروفیسر وائی ایس طاہر علی

مقالہ نگار ڈاکٹر داؤد پوتا رح

واقعہ نگاری

(ساتویں قسط)

قدیم عربی شاعری میں واقعہ نگاری بھی پند و موعظت یا حکیمانہ کلام سے کم اہمیت نہیں رکھتی۔ بلکہ وہ اُس کا جزوِ اعظم ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ قدیم شاعری میں مخصوص قسم کی نظمیں ہیں جو "واقعاتی" کہلائی جاتی ہوں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ قدیم عربی شاعری عام طور پر بیانیہ ہوا کرتی تھی کیونکہ وہ اُن تمام باتوں کی غمازی کرتی تھی جو زمانۂ جاہلیت میں ایک عرب دیکھتا تھا یا محسوس کرتا تھا یا ان میں شرکت کرتا تھا۔ اِس فصل میں ہم صرف اُن اقتباسات کو لیں گے جن میں عرب شعراء کے نقطۂ نظر سے فطرت کے مختلف مناظر ہیں اور جن کا تعلق نہ صرف زمانۂ جاہلیت سے ہے بلکہ ان کا تعلق بعد میں آنے والے زمانے سے بھی ہے۔ پھر ہم مثالیں دے کر یہ ثابت کریں گے کہ ان اشعار سے ایرانی شعراء کس حد تک متاثر ہوئے ہیں۔

صحرانشین عربوں نے اپنے ایامِ طفولیت فطرت کے مناظر میں گذارے تھے۔ وہ ان دلکش اور ہولناک مناظر سے نہ صرف خوب آگاہ تھے بلکہ اُن کے سادہ ذہنوں پر یہ تأثرات مرتسم تھے۔ چنانچہ انہوں نے ان کا اظہار سیدھے سادھے اشعار میں کیا۔ اُن کے دلوں کی دھڑکنیں قوانینِ فطرت سے بالکل ہم آہنگ تھیں۔ اُن کی شاعری میں ان تأثرات کا خصوصی طور پر ذکر ہے۔ اپنے جغرافیائی حالات کی وجہ سے وہ ساری دنیا سے کٹ گئے تھے اور صرف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے ماحول کی دنیا میں وہ محدود ہو کر رہ گئے تھے۔ ان تاثرات کا ذکر وہ اس خوبی سے کرتے ہیں کہ پڑھنے والا دنگ ہو کر رہ جاتا ہے۔ اُن کے پالتو جانور خصوصاً گھوڑے اور اونٹ (جو صحرا کے رہنے والوں کے لئے ناگزیر ہیں) کا ذکر اُن کی شاعری میں کثرت سے ملتا ہے۔ ان کی لڑائیاں اور کُشت وخون کے معرکے، اُن کے معاشقے اور مناقشے، اُن کی جوانی کی بہاریں اور بڑھاپے کے آلام ومصائب، اُن کے پودے اور پرندے، اُن کے تابناک آسمان، اُن کی چاندنی اور تاروں بھری راتیں، اُن کے باد وباراں اور بجلی کے کڑاکے، آندھیاں، پہاڑوں سے ابلنے والے پانی کے چشمے، تنگ وتاریک وادیاں، بادِ سموم اور دلفریب وجان لیوا سراب سب کے سب اُن کی شاعری کے لئے مواد ثابت ہوئے ہیں۔

قدیم عرب شعراء منظر نگاری نہیں کیا کرتے تھے۔ فطرتاً وہ جلد باز اور آتش مزاج تھے۔ چنانچہ کسی ایک مقام پر ٹھہر کر وہ چیزوں کی خوبیاں نہیں دیکھ پاتے تھے۔ انہیں تو وقتی طور پر ایک خیال پیدا ہوا اور وہ اُس سے لذت آشنا ہوئے اور عام الفاظ میں غیر واضح طور پر اُسے بیان کر دیا۔ اس سے اُن کی شاعرانہ صلاحیت میں کوئی فرق نہیں آتا تھا۔ وہ جادو بیان تھے۔ لہذا اپنے احساسات کے اظہار کرنے میں انہیں یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ لیکن جہاں قدرتی مناظر کا سرے سے فقدان ہو تو وہ کیا کر سکتے تھے؟ اُن کے سامنے تپتے ہوئے صحرا اور پتھریلے پہاڑ ہوا کرتے تھے۔ بے آب وگیاہ زمین سے سبز لہلہاتے مناظر کی اُمید کہاں تک حق بجانب ہو سکتی ہے؟ ہمیں کبھی کبھار کسی درخت یا جھاڑی کا بیان یا کسی نخلستان کا ذکر ضرور ملتا ہے جہاں ایک پرانا کنواں ہوتا ہے اور اُس کے ارد گرد جنگلی جانوروں کے جھنڈ گھاس اور پتیاں تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ لیکن انہیں شمالی ممالک کے شاندار اور وسیع وعریض جنگلات کا علم نہ تھا۔ وہ باغات اور گلہائے گوناگوں سے واقف نہ تھے اور نہ ہی وہ صاف اور شفاف جھیلوں کے پانی سے اور کنول کے پھول سے لذت آشنا تھے۔ پھر بھی ان شعراء کے اشعار میں منظر نگاری کی کوئی کمی نہیں ہے۔ جنہوں نے عراق، شام اور ایران کا سفر کیا تھا۔ ان کے اشعار صنائع وبدائع کے تکلفات سے معرا ہیں۔ مثال کے طور پر عنترہ کے چراگاہ کا لاجواب منظر ملاحظہ ہو[1]:۔

---

[1] زوزنی ص ۱۴۷؛ ابن قتیبہ: الشعر والشعراء ص ۱۳۳؛ العمدۃ ج ا ص ۲۰۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور وضۃ انفا تضمن نبتھا غیث تلیل الدمن لیس بمعلم

(وہ ایک تازہ چمن کے مانند ہے جس میں کوڑے کرکٹ کی بدبو نہیں ہے اور نہ اُس میں قدموں کے نشانات ہیں۔ اس کی سرسبزی کی ضمانت بارش نے دی ہے۔)

جادت علیہ کل بکر حرۃ فترکن کل قرارۃ کالدرھم

(اُس پر نئے بادل نے پانی برسایا چنانچہ ہر گڑھا چاندی کے سکے کے مانند چمکتا رہا ہے)

سحاً وتسکا بافکل عشیۃ یجری علیہ الماء لم یتصرم

(وہ رم جھم برستے رہتے ہیں اور شام کے وقت اُس پر مسلسل پانی بہتا رہتا ہے)

وخلا الذباب بھا فلیس ببارح غرداً کفعل الشارب المترنم

(شہد کی مکھی مستقل طور پر وہاں اس طرح بھن بھن کرتی رہتی ہے جس طرح کہ کوئی مست پی کر گاتا رہتا ہے)

ھزجاً یحک ذراعہ بذراعہ قدح المکب علی الزناد الاجذم

(خوشی کے مارے وہ اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر رگڑتی ہے جیسا کہ ایک ٹنٹا چمقاق رگڑتا ہے)

یا اعشیٰ کا منظر ملاحظہ ہو:۔

ما روضۃ من ریاض الحزن معشبۃ خضراء جاد علیھا مسبل ھطل

یضاحک الشمس منہ کوکب شرق مؤزر بعمیم النبت مکتھل

یوما باطیب منھا نشر رائحۃ ولا باحسن منھا اذ دنا الاصل

(کوئی سرسبز و شاداب باغ جو بلند زمین پر ہو اور جس پر بادل خوب برسے ہوں۔ جس کے گل بوٹے ہر طرح سے مکمل ہوں اور سبز پتیوں سے لپٹے ہوئے ہوں اور اپنی آب و تاب سے سورج کا مقابلہ کرتے ہوں۔ اس باغ کی خوشبوں سے بازی نہیں لے جا سکتا اور نہ وہ شام کے وقت اس سے بھلا معلوم ہو سکتا ہے)

ذیل میں کھجور کے درختوں کا وصف دیا جاتا ہے جس میں ان درختوں کی شاخیں جو ایک دوسرے سے مل کر ہوا میں جھومتی ہیں۔ ان شاخوں کو دوشیزاؤں سے تشبیہ دی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گئی ہے جو آپس میں ایک دوسرے کے بالوں کو کھینچتی ہیں۔ مترار العدی کہتا ہے :۔

کأنّ فروعها فی کلّ ریح عذاری بالذوائب ینتصینا

(گویا اُن کی ہوا میں جھومتی ہوئی شاخیں لڑکیاں ہیں جو ایک دوسرے کو چوٹیوں سے گھسیٹتی ہیں)

اصمعی نے اِس منظر کو غیر فطری بتایا ہے لیکن باوجود اس کے یہ اپنی مثال آپ ہے۔

شاعر اپنے ماحول سے ہمیشہ متاثر رہتا ہے۔ اگر وہ اپنے صحرائی ماحول سے نکل جائے اور ایسی جگہ چلا جائے جہاں بکثرت گلاب کے پودے ہوں ندی نالے ہوں اور قسم قسم ہریالی ہو تو وہ ضرور ان سے اثر پذیر ہوگا اور بالکل جداگانہ قسم کے اشعار کہنے لگے گا۔اس سلسلے میں متنبیؔ کی مثال پیش کی جا سکتی ہے۔ اگرچہ وہ بادیہ نشین تھا اور صرف مصر و شام کے مناظر سے آگاہ تھا لیکن وہ ایرانی باغات اور سرسبز وادیوں سے متأثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ اپنے ماحول سے اس قدر خوش تھا کہ اُسے اپنی بیوی اور بچوں کو شیراز بن بلائے نہ بنی۔ اُس کی یہ آرزو بار آور نہ ہو سکی اور ڈاکوؤں نے اُسے اثنائے سفر قتل کر دیا۔ متنبی فطرت کا شیدائی نہ تھا لیکن یہ سفرِ ایران ہی کا کرشمہ تھا کہ اُس نے شعب بوان کا دلکش منظر پیش کیا ہے[1]۔

"شعب بوان میں منازل مثل موسمِ بہار دلکش معلوم ہوتے ہیں۔ وہ چونکہ ان اطراف میں ایک اجنبی تھا لہٰذا اس خوب صورت وادی کے باشندگان کی زبان سمجھنے سے قاصر تھا۔ سایہ دار درختوں نے اُسے گرمی کی شدت سے پناہ دی تھی اور ان کی شاخوں اور ٹہنیوں میں سے اتنی روشنی آتی تھی کہ وہ اُن کے زیر سایہ چل سکے۔ مقام اتنا دلفریب اور ٹھنڈا تھا کہ اُس کے ساتھیوں نے اور گھوڑوں نے وہاں سے آگے بڑھنا نہ چاہا۔ سورج کی شعاعیں ان ٹہنیوں میں سے چھن کر اُن کے دامن پر اور گھوڑوں کی اَیال پر گرتی تھیں اور آبدار موتیوں کے دانوں کے مانند چمکتی تھیں۔ کبھی چھاؤں تھیں تو کبھی شعاعِ آفتاب!

---

[1] دیوان۔ ص ۲۶۶ ؛ یاقوت ، البلدان ج ۱ ص ۱۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

درختوں پر رس بھرے پھل لگے تھے اور مشتاق نگاہوں کے منتظر تھے۔ بہتے ہوئے پانی کی سرسراہٹ اور کھنکھناتی کنکریوں کی آواز کانوں کو بھلی معلوم ہوتی تھیں۔ درختوں پر خاکستری رنگ کی کبوتریاں گاتی تھیں اور اُن کے نیچے زمین پر بیٹھی ہوئی خوبصورت دوشیزائیں بھی اپنا سُر ملاتی تھیں۔"

اِسی طرح اُس نے شام کی جھیل البحیرۃ کی بڑی شان سے توصیف کی ہے۔ یہ سب اُس نئے ماحول کا اثر تھا جس میں اُس کو رہنا پڑا تھا۔ وہ مجبور ہو کر جنگ و جدال کے مناظر کو جن سے اُس کا دیوان بھرا پڑا ہے رخصت کرتا ہے اور مناظر قدرت سے لطف اندوز ہوتا ہے۔

ہم بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ عہد عباسیہ میں مناظر قدرت والے اشعار اس بات کی دلیل ہیں کہ اب شعراء کی زندگی میں نئی تبدیلی آئی تھی۔ چونکہ ان شعراء کی پرورش براہِ راست ان قدرتی مناظر میں نہ ہوئی تھی۔ لہذا وہ فطرت کی بے رحم اور سفاک باتوں سے نابلد تھے۔ اُن کی زندگی کا بہت بڑا حصہ شہروں میں اور امراء کے درباروں میں گذرا تھا۔ وہ صرف اُن مناظر سے آشنا تھے جو انسان نے اپنے ہاتھوں سے بنائے تھے اور جن کا مظاہرہ انسان نے دلکش باغات اور چمن زاروں سے کیا تھا۔ ان باغوں میں پھولوں کی کیاریاں تھیں۔ خوبصورت محل اور قصور تھے۔ جگہ جگہ حوض اور فوارے لگے ہوئے تھے غرضیکہ شعراء فنکار تھے وہ اپنی شاعری سے وہی کام کرتے تھے جیسے ایک ہنرمند شخص پلاسٹک سے بہت سی چیزیں تیار کرتا ہے۔ تشبیہات اور استعارات خیالات کے اظہار کا ذریعہ بن گئے تھے۔ شعراء نے کسی اچھی چیز سے متأثر ہو کر اپنے جذبات اور احساسات کو بیان نہیں کئے بلکہ اُن کا مطمع نظر یہ رہا کہ وہ اپنی قوتِ تخیل سے کوئی چیز پیش کریں۔ چنانچہ انہوں نے ایسی تصاویر پیش کیں جو حواس ظاہرہ کو بھلی معلوم ہوتی تھیں لیکن اصل بات تو نمائش اور آرائش میں دب کر رہ گئی۔ اُن کی فطرت نگاری میں ورڈز ورتھ کا "لمحاتِ سکون والا وجدان" نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ ہم آہنگی پائی جاتی تھی جو قدرت نے ان اشیاء میں ودیعت کر رکھی ہے۔ اُنہیں تیرہ و تاریک بادلوں میں محبت کے زمزمے نہیں سنائی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیتے تھے ننھے ننھے پھولوں کی یادیں اُن کے دل رقص کرتے نظر نہیں آتے تھے۔ وہ ایک لمحہ میں سایہ کے مانند اُن کے دماغ سے زائل ہو جاتے ہیں۔ وقتی طور پر وہ تفریحِ طبع کے سوا کچھ نہیں۔ پروفیسر نکلسن[1] نے قدیم ایرانی شعراء کی منظر نگاری پر بحث کرتے ہوئے کہا ہے کہ

"وہ اُن احساسات کا اظہار کرتے ہیں جو ظاہری طور پر شاعر کے دل و دماغ پر اثر انداز ہیں۔ یعنی وہ انہیں دیکھ کر خوشی حاصل کرتے ہیں اور جب وہ اُن کی نظر سے اوجھل ہوتے ہیں تو وہ ناخوش ہوتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے احساسات اُن کے بلند پرواز تخیل کے رہینِ منت ہیں۔ شاذ و نادر ہیں ان کے اشعار میں فرطِ محبت یا کوئی روحانی اور اخلاقی اقدار نظر آتی ہیں"۔

یہ بات عربی شعراء پر صادق نظر آتی ہے جو ان ایرانی شعراء کے ہم عصر تھے اور جو اُن کے کلام کے لئے ہر طریقہ سے مقتدی تھے۔ ذرا یتیمہ اور لباب کو ایک ساتھ پڑھ کر دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ قدیم ایرانی شعراء اور اُن کے ہم عصر عرب شعراء کی منظر نگاری کس قدر ایک جیسی ہے اور ایران کی اُبھرتی ہوئی شاعری نے اپنے آپ کو عربی شاعری سے کیا کیا لے کر مالا مال کیا ہے۔

بہت کم شعراء نے فطرت کے مناظر میں دلچسپی لی ہے۔ اُن میں سے ایک صنوبری (متوفی ۳۳۴ھ) ہے[2] جو سیف الدولہ کے کتبخانہ کا متولی تھا۔ ڈاکٹر میز کا کہنا ہے کہ

"صنوبری عربی ادب میں پہلا شاعر ہے جس نے فطرتی نظاروں پر شاعری کی ہے وہ سپہر برین کا، روشنی اور ہوا کا دلدادہ تھا اور دیدۂ بینا سے اُن باتوں کا مشاہدہ کرتا تھا"[3]

۱؎ Studies in Islamic Poetry ص ۱۳

۲؎ مثال کے طور پر کُشاجم، خالدیان، امیرؔ میکالی اور دوسرے غیر اہم شعراء جن کے نام یتیمۃ الدہر میں مذکور ہیں

۳؎ Die Renaissance des Islams ص ۲۵۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نمونے کے طور پر اس بیان کو پڑھئے جو اس نے بہار کے موسم میں ایک باغ کی کیفیت کے بارے میں لکھا ہے:[1]

یا ریم قومی الآن ویحک فانظری ما للربی قد اظهرت إعجابها

(اے ہرنی! کھڑی ہو جا اور دیکھ پہاڑیوں پر کیا کیا عجائبات نظر آتے ہیں)

کانت محاسن وجهها محجوبةً فالآن قد کشف الربیع حجابها

(ان پہاڑیوں کے رخِ زیبا کی خوبیاں پوشیدہ تھیں لیکن موسمِ بہار نے انہیں بے نقاب کر دیا)

ورد بدا یحکی الخدود ونرجس یحکی العیون إذ رأت احبابها

(گلاب کے پھول کھلے ہوئے ہیں اور وہ رخساروں کے مانند معلوم ہوتے ہیں اور نرگس کے پھول بھی آنکھوں کی طرح معلوم ہو رہے ہیں اور ان آنکھوں میں وہ رونق ہے جو محبوب کے دیدار سے حاصل ہوتی ہے)

وشقائق مثل المطارف قد بدت حمرا وقد جعل السواد کتابها

(اور گلِ لالہ بھی ریشمین چادر اوڑھے ہوئے ہے اور اس کی پنکھڑیوں میں سیاہی مائل رنگ ہے)

ونبات باقلی تشبه نوره بُلق الحمام مشیلةً اذنابها

(اور پھلی دار درختوں کے پھول رنگا رنگ کبوتروں کے مانند معلوم ہوتے ہیں جنہوں نے اپنی دُم اٹھا رکھی ہے)

والسرو تحسبه العیون غوانیا قد شمرت عن سوقها اثوابها

(اور سرو کے درخت دیکھنے والوں کو پاکدامن عورتوں جیسے لگتے ہیں جنہوں نے اپنے دامنوں کو پنڈلیوں سے اوپر اٹھا رکھے ہوں)

وکأن احداهن من نفح الصبا خود تلاعب موهنا اترابها

---

[1] کتبی: فوات جلد ۱ ص۲۶۶ اور مَن غاب عنه المطرب ص۱۲۸-

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(گویا اُن میں سے ہر ایک آدمی رات میں اپنے ہمجولیوں کے ساتھ کھیل رہا ہے جب کہ بادِ صبا کا جھونکا چل رہا ہو)

لوکنتُ املک للریاض صیانۃ یوماً لما وطئ اللئام ترابھا

(اگر کسی روز میرا بس چلے تو ان باغات میں ادنیٰ درجہ کے لوگوں کو قدم نہ رکھنے دوں)

صنوبری کے مذکورہ بالا اشعار اینڈریو ماردیل (Andrew Marvell) کے "Thoughts in Garden" والے اشعار سے بہت کچھ ملتے جلتے ہیں گرچہ ان میں فلسفیانہ افکار کم ہیں۔ ان اشعار میں اُسے باغِ عدن کی یاد نہیں آتی جہاں وہ عالمِ ہستی میں آنے سے پہلے موجود تھا۔ لیکن کیا آخری شعر میں ایرانی شاعر کسائی (متوفی ۱۰۰۱ء) کی گونج نہیں ہے جو سیم و زر کے خاطر گلاب کے پھول کو دینا گوارا نہیں کر سکتا۔[۱]

گل نعمتی ست ہدیہ فرستادہ از بہشت مردم کریم تر شود اندر نعیم گل

(گلاب نعمت ہے جو ہدیہ کے طور پر بہشت سے بھیجا گیا ہے۔ انسان پھولوں کے باغ میں بلند حوصلہ رکھتا ہے)

اے گل فروش گل چہ فروشی برائے سیم وز گل عزیز ترچہ ستانی بہ سیم گل

(اے پھول بیچنے والے پھولوں کو چاندی کے سکوں کی خاطر کیوں بیچتا ہے؟ پھولوں سے زیادہ پیاری کیا چیز ہو سکتی ہے جو تو ان سکوں سے خریدے گا؟)[۲]

یہ لاجواب قطعہ ہے لیکن اسے ہم بیانیہ یا وصفیہ نہیں کہہ سکتے۔ ہمیں کسائی دقیقی وغیرہ کے اور بھی قطعات ملتے ہیں جن میں فطرت کی آئینہ گری ہے لیکن وہ سب عام اور مبتذل ہیں۔ اُن میں وہی باتیں ہیں جن کا ذکر ہم نے سطورِ بالا میں کر دیا ہے۔

صنوبری کو سب سے پہلا شاعر مانا گیا ہے جس نے ثلجیات (برف) پر طبع آزمائی کی ہو۔ اُس نے توجہ فطرت کے نظاروں پر مرکوز نہیں کی۔ ابو تمام، البحتری، ابن الرومی اور

---

[۱] لباب جلد ۲ ص ۳۴ سطور ۲۴ اور ۲۵

[۲] پروفیسر آر۔ اے۔ نکلسن Studies in Islamic Poetry صفحات ۱۳ اور ۱۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابن المعتز نے فطرت نگاری میں ایک ممتاز مقام پیدا کر لیا تھا اور اپنے بعد عربی اور فارسی میں سخنوری کرنے والوں پر اثر انداز ہوئے تھے۔ بحتری نے سُرّ مَن رّائی میں متوکل کے بنائے ہوئے قصر الجعفری والے برکہ (حوض) کی تعریف میں جو بیان لکھا ہے اُس کی تقالی کئی ایرانی شعراء نے کی مثلاً عنصری، فرخی اور ازرقی۔ یہ بھی قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ اُس کا ایوانِ کسریٰ شکستہ اور ریختہ عمارت والا لاجواب بیان پڑھ کر ہی خاقانی کا شوق چرایا ہوگا کہ وہ اس کھنڈر عمارت پر اپنی شہرۂ آفاق نظم مرثیہ کی شکل میں لکھے۔ بیشک دونوں شاہکاروں کی تخلیق میں جداگانہ جذبہ کارفرما رہا ہے۔ بحتری کا بیان حقیقت پسند ہے لیکن خاقانی بہت جذباتی ہو جاتا ہے۔ بحتری جب اس عظیم الشان تودے کو دیکھتا ہے تو اسے نوشیرواں کا زمانہ یاد آجاتا ہے جب مشارٌ الیہ نے اپنے فوجِ جرار کو رومیوں کے مقابلے میں لاکر کھڑا کر دیا تھا۔ وہ خسرو پرویز کی مے نوشی اور جامِ عشرت کی تصویر بھی اپنے دماغ میں پاتا ہے اور دیکھتا ہے کہ وہ باربد کی شیرینیِ آواز نے نوازی پر کتنا جھوم رہا ہے۔ اُسے ماضی کی بہت سی یادیں تازہ ہو جاتی ہیں۔ شاہنشاہ کے چاروں طرف دربار میں امراء حسبِ مراتب کھڑے ہیں اور شاہنشاہ غیر ملکی سفیروں کو شرف باریابی دے رہا۔ پھر اُسے وہ ماضی کی عظمت اور شان و شوکت کا مقابلہ ان کھنڈرات سے کرتا ہے اور غمزدہ ہو جاتا ہے اس لئے نہیں کہ اُسے کوئی ذاتی نفع اور نقصان ہوا ہے بلکہ اس لئے کہ یہ کھنڈرات اُس قوم کی ملّی یادیں ہیں جنہوں نے شاعر کے آقاؤں کی (یعنی بنی عباس کی) مدد کی اور امویوں کے پسپا ہونے کے بعد ایرانی تخت حاصل کرنے میں اُن کے ساتھ تعاون کیا۔ اس کے برعکس خاقانی میں یہ تفصیلات نہیں پائی جاتی۔ وہاں نِرے جذبات ہیں۔ محبِ وطن ہونے کی حیثیت سے اُس کے جگر میں اس قومی تباہی پر ایک ہوک سی اٹھتی ہے۔ وہ دریائے دجلہ سے اور اُس کے اردگرد کی اشیاء سے مخاطب کر کے کہتا ہے کہ وہ سب اُس کے ساتھ اُس غم میں شریک ہوں پھر وہ اس جہاں کی آنی جانی باتوں پر پند و موعظت کی باتیں کرنے لگ جاتا ہے۔

یہ سب کچھ بطور تمہید کے تھا۔ اب ہم واقعہ نگاری کے مہم دوش اشعار کی طرف رجوع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتے ہیں لیکن اس سے پہلے ہم اُن اشعار کا ذکر کریں گے جو گھوڑے اور جنگ کے متعلق ہیں اور جو قدیم عرب شعراء کے مقبول ترین موضوعات ہیں۔ ذیل میں اُس گھوڑے کا ذکر کیا جاتا ہے جسے امرؤ القیس اپنے مشہور معلقہ میں لایا ہے[1]

مِکَرٍّ مِفَرٍّ مقبلٍ مدبرٍ معاً کجلمودِ صخرٍ حطه السیلُ من عَلِ

(وہ ایک ہی وقت میں آگے پیچھے دوڑتا ہے وہ ایک بڑی چٹان کے مانند ہے جسے سیلاب اوپر سے لڑھکاتا ہے)

له ایطلا ظبیٍ وساقا نعامة وارخاء سرحانٍ وتقریب تتفلِ

(اُس کی کوکھ ہرن کی سی ہے اور پنڈلیاں شتر مرغ جیسی۔ اُس کی دوڑ بھیڑیئے کی سی ہے اور اُس کی تیز رفتاری لومڑی کے بچے کی سی ہے)

گھوڑے کی اس تعریف کو تمام نقادوں نے بہت پسند کیا ہے کیونکہ دوسرے میں بیک وقت چار تشبیہات آئی ہیں اور پہلے شعر میں یک حرف کے بار بار آنے سے ایک خاص کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ ایرانی شاعر منوچہری (متوفی ۴۳۰ھ، ۱۰۳۸ء) نے اُس کا فارسی ترجمہ یوں کیا ہے[1]:-

ہمچنان سنگی کہ آنرا سیل گرداند زکوہ گاہ زانسو گاہ زینسو گہ فراز و گاہ باز

(وہ مثل پتھر کے ہے جسے سیلاب پہاڑ سے لڑھکاتا ہے۔ کبھی اُس طرف لڑھکاتا ہے اور کبھی اِس، کبھی اُچھلتا ہے اور کبھی گرتا ہے)

شیر گام و پیل زور و گرگ پوی و گور گرد بردو و آہو جہ و روباہ عطف و رنگ باز

(شیر جیسی چال ہے اور ہاتھی جیسا زور ہے، اُس کی چال بھیڑیئے کی سی ہے اور چلانگ نیل گائے جیسی ہے چیتے کی سی جست ہے اور ہرن کی سی چوکڑی ہے لومڑی جیسی مکاری ہے اور جنگلی بکرے کی سی ڈور ہے)

---

[1] دیوان ص ۶۵ سطور ۲۰ اور ۲۲ اور ص ۸۱ سطر ۱۸ جس میں اُس نے امرؤ القیس کے پہلے شعر والی تشبیہ استعمال کی ہے

توگفتی کز ستیغ کوہ سیلی فرود آرد ہمی احجار صد من

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گھوڑے کی تعریف میں منوچہری نے بہت کچھ لکھا ہے لیکن اُس میں خوبیاں بیان کی گئی ہیں یا جو تنسیق الصفات والی لفظی صنعت لائی گئی ہے اُن سے یہ جانور ایک مہمل چیز بن کر رہ گیا ہے۔ گھوڑے کی اس نسل میں ہاتھی کی سی مستانہ چال ہے۔ نکیلے سینگ والے بیل کا بپھرنا ہے۔ ہرن کی سی چوکریاں بھرنا ہے۔ بھیڑیے کی سی تیزی ہے۔ لومڑی والی مکاری ہے۔ شیر والی دلیری ہے اور گدھے کی سی دولتیاں ہیں۔ بھلا یہ کوئی گھوڑا ہوا! یا چھلاوہ؟[1] عجب سحر طرازی ہے:۔

معزّی (متوفّٰی ۵۴۲ھ، ۱۱۴۷ء) نے اپنے ممدوح کے گھوڑے کے بگٹوٹ بھاگنے کو پہاڑی کی چوٹی پر سے تیز لڑھکنے والی چٹان سے تشبیہ دی ہے[2]

فری سمند تو کاندر نبرد گردش اوست   چون گاہ سیل ز کہسار گردش جلمود

(کتنا پیارا رہوار ہے کہ جو میدانِ جنگ میں اس طرح دوڑتا ہے جیسے کوئی بڑا پتھر سیلاب کے وقت لڑھک رہا ہو)

گھوڑے کی اس تعریف کے ساتھ ساتھ عدی بن الرِّقاع کا حسب ذیل شعر بھی ملحوظ رہے جس میں اُس نے ہرن کے بچے کے نوکدار سینگ کو ایک قلم سے تشبیہ دی ہے جو سیاہ روشنائی میں ڈبوئی ہوئی ہے[3]:۔

---

[1] دیوان: ص ۹۰ سطر ۱۸ اور ص ۱۴۳ سطر ۹

[2] دیوان معزی ص ۴۳ ب

[3] ابن قتیبة، الشعر والشعراء ص ۳۹۲؛ العمدة جلد ا ص ۲۰؛ جنگ میں گھوڑوں کا بیان کرتے ہوئے جریر کہتا ہے (العمدہ جلد ۲ ص ۲۴)

یخرجن من مستطیر النقع دامیةً   کأنّ آذانها اطراف اقلام

(وہ غبار کے پھیلے ہوئے بادلوں سے خون آلودہ نکلتے ہیں۔ اُن کے کان گویا سر کٹے والی قلموں کی نوکیں ہیں)

اور عمانی کہتا ہے:۔

تخال اذنیه اذ تشوفا   قادمةً او قلما محرّفا

(اُن کے کان کھڑے ہوں تو تم سمجھو گے کہ پَر ہیں یا قلم ہیں جو ترچھی کٹی ہوئی ہیں)

[4] گرشاسپ نامہ، مجمع الفصحا ص ۳۸ الف۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تزجی اغنَّ کانَّ إبرةَ روقہ　　　قلم اصاب من الدواۃ مدادھا

(وہ بارہ سینگا اپنے چھوٹے بچے کو بھگاتا ہے جس کے سینگوں کی نوکیں قلم نما معلوم ہوتی ہیں جس پر دوات کی سیاہی لگی ہوئی ہے)

عربی زبان کے نقادوں نے اِس تشبیہ کو بہت داد دی ہے۔ اسدی (کو جک متوفی ۴۵۶ھ) نے بھی اس تشبیہ کو ذیل کے اشعار میں استعمال کی ہے۔ اِن اشعار میں ایک ہرنی کے تعاقب کا ذکر ہے جو زمیان کر رہا ہے[1] فرق صرف اتنا ہے کہ سینگوں کی جگہ کانوں سے تشبیہ دی ہے[2] اس معاملے میں اسدی نے جریر اور عمانی کا تتبع کیا ہے کیونکہ ان دونوں نے گھوڑے کے کانوں کو اس قلم سے تشبیہ دی ہے[3]۔ جس پر ایک ترچھا خط لگایا گیا ہو:-

نہادہ بآہوسیہ گوش چشم　　　جہاں چو درخش از کمینگہ بخشم

(اُس نے اپنی نگاہ کالے کان والے ہرن کے بچے پر رکھی)

سرِ گوشِ تیسرین جو نوکِ قلم　　　نشان پیش در زمین چون درم

(اُس کے سیاہ رنگ کانوں کے سرے قلم کی نوک معلوم ہوتے تھے۔ اُس کے پیروں کے نشان زمین پر دِرَم جیسے تھے)

(مسلسل)

---

[1] گرشاشپ نامہ: مجمع الفصحا ص ۳۸ الف

[2] جو بھالے کہ جنگ میں گھوڑے کے سروں پر لٹکے ہوئے ہوں اُنھیں گھوڑے کے سینگ کہا جاتا ہے (ملاحظہ ہو لین کی LEXICON لفظ قرن کے تحت)

[3] ذیلی نوٹ نمبر ۲ صفحہ ہذا پر ملاحظہ کیجئے۔

© rasailojaraid.com